بیدل حیدری: صاحب طرز غزل گو شاعر

سمیرا کنول
صفدر نعیم

Abstract:

Baedil Haideri was a prominent and sensible poet among the Urdu poets in 20th century. After partition of subcontinent, he settled in a rural area of Khanay Wal (Kabir Wala) where he spent his whole life. His poetry has universal truth and reality of life. He wrote many poems but he become famous by his lyrics poetry. His lyrics have the sorrows, desires, inequality of rights of humanity. He had a great love and passion for the deprived class. He did not want to see anybody in trouble. He presented his thoughts in his different and his own style, so that he become a powerful and unique voice of Urdu poetry especially in Urdu ghazal.

بیدل حیدری کا اصل نام عبد الرحمن تھا۔ وہ ضلع میرٹھ کی ایک تحصیل غازی آباد (بھارت) کے ایک چھوٹے سے قصبے گھاسیڑہ میں 23 اگست 1924ء کو پیدا ہوئے۔(1)۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم کا آغاز 1928ء میں اپنے ہی قصبے کے پرائمری سکول مراد نگر سے کیا۔ 1932ء میں پرائمری کا امتحان پاس کیا اور ایم۔ ایم۔ ایچ۔ وی یعنی مہانند مشن ہری چن وریا کالج میں داخلہ لے لیا۔ میٹرک اور ایف ایس سی کے امتحانات اعلیٰ نمبروں میں پاس کیے۔ میڈیکل میں منی ایم بی بی ایس یعنی ایل ایس ایم ایف کی ڈگری حاصل کی اور تمام عمر شعبہ میڈیکل میں "ارفع کلینک" کے نام سے کبیر والا میں کلینک چلاتے رہے جو کلینک کم اور ادبی نشست کا کام زیادہ دیتا تھا۔ بیدل حیدری کی ادبی و شعری زندگی کا آغاز پرائمری سکول مراد نگر کے زمانے سے ہی ہو گیا تھا۔ شاعری کا یہ چسکا ان کے رگ وپے میں اتنا سمایا کہ انہوں نے تاحیات

اسی علم کو بلند کیے رکھا۔ انہوں نے اردو شاعری کی عظمت کو چار چاند لگائے اور اردو شاعری نے ان کو شہرت دوام بخشی۔ اپنی شاعری کی ابتدا کے بارے میں وہ اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھتے ہیں۔

"شاعری کا چسکا کیوں لگا۔۔۔ دادی ماں کی وہ لوریاں جو رات کو ہمیں سنایا کرتی تھیں اور پرائمری سکول میں ہمارے اردو کے استاد مولوی عبد الجبار تھے جو ہمیں شعر سنایا کرتے تھے نیز ہر ماہ سکول میں بیت بازی کا مقابلہ بھی کروایا کرتے تھے جس سے شعر وشاعری کا چسکا لگا۔"(2)

شاعری کے ابتدائی دنوں میں بیدل حیدری، بیدل غازی آبادی تخلص کیا کرتے تھے۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ مہانند مشن ہری چن وریا انٹر کالج میں سالانہ مشاعرہ ہوا۔ بہت سے شعرائے کرام مدعو تھے۔ ان مہمان شعراء میں سید جلال الدین حیدر دہلوی(1906-1958) بھی شامل تھے۔ بیدل حیدری نے ان کی ایک غزل سے متاثر ہو کر ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور اپنا نام بیدل غازی آبادی کے بجائے بیدل حیدری رکھ لیا۔ جس غزل سے متاثر ہو کر انہوں نے سید جلال الدین حیدر دہلوی کی شاگردی اختیار کی اس غزل کے تین شعر ملاحظہ کیجیے:

جنونِ عشق کی گہوارہ طنّابی نہیں جاتی
نہیں جاتی طبیعت کی پریشانی نہیں جاتی
چمن والوں سے مجھ صحرا نشیں کی بودوباش اچھی
بہار آکر چلی جاتی ہے ویرانی نہیں جاتی
ابھی ماحول ، عرفانِ ہنر میں پست ہے حیدر
یکایک ہر بلند آواز پہچانی نہیں جاتی(3)

ایم۔ ایم۔ ایچ۔ وی۔ انٹر کالج میں سید جلال الدین حیدر دہلوی کی زیر صدارت سالانہ مشاعرہ ہوا جس میں کالج کے چند طلبہ کو بھی شریک کیا گیا تھا۔ مشاعرے میں طالب علم شعراء کو حوصلہ افزائی کے انعامات دیے گئے۔ اول انعام منصور تابش اور دوسرا انعام بیدل حیدری کو دیا گیا۔ بیدل حیدری اپنی شاعری کے باقاعدہ آغاز کے بارے میں اپنی خود نوشت سوانح عمری میں رقم طراز ہیں: "میری شاعری کا باقاعدہ آغاز غالباً1936 یا 1937 سے ہوا۔"(4)۔ ان کی پہلی غزل کا مطلع ہے۔

تم ہمارے ہو ہم تمہارے ہیں ایک دریا کے دو کنارے ہیں (5)

بیدل حیدری بیسویں صدی کے اردو شعری ادب کے ایسے درخشندہ ستارے ہیں جن کی تابنا کی کبھی ماند نہیں پڑ سکتی۔انہوں نے نظمیں بھی کہی ہیں اور ان کی نظموں کا مجموعہ "میری نظمیں"(1994) بھی منظرِ عام پر آچکا ہے لیکن وہ بنیادی طور پر غزل گو شاعر تھے۔انہوں نے اردو غزل کو عروجِ کمال تک پہنچایا اور یوں ان کا مقام و مرتبہ بھی بلند ہو گیا۔انہوں نے شعری حوالے سے تقریباً ساٹھ سال تک اردو ادب کی خدمت کی۔ اگر ان کے کلام کو مدوّن کیا جائے تو خاصی ضخامت پر مبنی ایک کلیات بن سکتا ہے۔ان کی غزلوں کے تین مجموعے ہیں جو چھپ کر قارئین سے پذیرائی حاصل کر چکے ہیں ان میں "اوراقِ گل"(1957)،"پشت پہ گھر"(1996)،"ان کہی"(2004) شامل ہیں۔

بیدل حیدری جیسی نابغہء روزگار شخصیات صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں جو اپنے کام، اپنے کردار اور اپنے بے پناہ خلوص سے ایک زمانے کو متاثر کرتی ہیں۔ان کی غزلیں فکری پیغام لیے ہوئے ہیں اور قارئین شعر و ادب میں بہت مقبول ہیں۔ان کا لہجہ تندرست اور آواز توانا ہے۔وہ پُر امید شاعر ہیں اور اپنے قارئین و سامعین کے دل میں بھی زندگی کرنے کی خو پیدا کر دیتے ہیں۔گفتار خیالی ان کی غزل پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "وہ (بیدل حیدری) غزل کی شعری تاریخ اور محاسن فنی سے بخوبی واقف ہیں۔انہوں نے عصری تبدیلیوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔قدیم اور جدید غزل کی روایتوں کو اپنے فکر و احساس میں جذب کرکے اپنے فکر و فن کی راہوں کا تعین کیا ہے۔"(6)

بیدل حیدری ایک منفرد غزل گو تھے۔سادگی، متانت اور سلاست ان کی شاعری کی نمایاں خوبیاں ہیں۔ان کی شخصیت اور شاعری میں تکلف و بناوٹ کے بجائے حقیقت پسندی ہے۔وہ غیر قیاسی تشبیہات و استعارات بھی استعمال نہیں کرتے بلکہ اپنے دل کی بات سادہ الفاظ اور سادہ پیرائے میں بیان کر دیتے ہیں۔ ظلم کے خلاف مزاحمت، طبقاتی شعور، ایک پر امن دنیا کا خواب اور انسانی حقوق کی پاسداری ان کی غزل کے بڑے موضوعات ہیں۔وہ پیشے کے اعتبار سے طب سے منسلک تھے لیکن شاعری ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔وہ ساری عمر مشاعرے جیسے تہذیبی اور معاشرتی ادارے سے بھی وابستہ رہے۔ وہ خود بھی مشاعرے منعقد کرواتے اور مشاعروں میں شریک بھی ہوتے تھے۔ان کی شعری انفرادیت کے حوالے سے "قیس سلیمی" کا کہنا ہے:

> "انسان دوستی، قومی اور بین الاقوامی حالات، معاشی اور معاشرتی مسائل نے بھی ان کی شاعری پر اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔اگر یہ نہ ہوتا تو وہ بھی

ایک روایتی شاعر ہوتے۔ ان میں موجودہ عہد کی جد و جہد کا رنگ بہت نمایاں ہے۔اسی جدو جہد کے رنگ نے ان کی شاعری کو جدید عہد کے لیے موثر بنایا ہے۔" (7)

اصلاح سخن ان کی گھٹی میں تھی۔1980ء کی دہائی میں ان کی اصلاحِ سخن کا سلسلہ اپنے عروج پر تھا۔بیدل حیدری نے ان نوجوانوں کو، جن کو وزن میں لکھا ہوا مصرع بھی وزن میں پڑھنا نہیں آتا تھا، صاحب دیوان بنا دیا۔یوں انہوں نے شاعروں کی ایک بڑی کھیپ تیار کر ڈالی۔اس کھیپ کی مکمل فہرست بہت لمبی ہے۔ چند ایک کے نام یہ ہیں۔اطہر ناسک، ناصر بشیر، قمر بشیر، شکیل سروش، شوکت مہدی، ارشاد جالندھری، مظہر بخاری، شام جعفری، وسیم جبران، شہزاد عطا، اکبر بخاری، مظہر قلندرانی، اکرام الحق سرشار، مقبول گوہر اور ڈاکٹر اختر شمار۔ان کے عروج کا زمانہ وہی تھا جب ان کے ارد گرد شاگردوں کا ہجوم ہوتا تھا۔کبھی ان کے لیے دستار بندی کا مشاعرہ رکھا جا رہا ہوتا اور کبھی اطہر ناسک کاروانِ ادب کے ہفتہ وار مشاعروں کا اہتمام کر رہے ہوتے تھے۔بیدل حیدری نے غزل کے میدان میں اپنا لوہا منوایا ہے۔عمران نقوی کا کہنا ہے:

"وہ(بیدل حیدری) شعراء کی اس نسل کے آخری قد آور شاعر تھے جو فن شاعری کی باریکیوں پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔بیدل حیدری شاعری کا فن سکھانے کے سلسلے میں بے حد فیاض واقع ہوئے تھے۔یہی وجہ ہے کہ جنوبی پنجاب میں ان کے شاگرد کثرت سے پائے جاتے ہیں۔انہوں نے مضافات میں بیٹھ کر اعلیٰ شاعری کا عَلَم بلند کیے رکھا۔انہوں نے سہولتوں سے آراستہ بڑے شہروں سے دور بیٹھ کر نہ صرف خود جاندار شاعری کی بلکہ مضافات کے شاعروں کو حوصلہ دینے کے ساتھ ساتھ ان کے لیے اچھی شاعری کی تحریک بھی پیدا کی۔" (8)

بیدل حیدری نے ایک انٹرویو میں اپنے بارے میں کہا تھا:

"جس طرح سیارگان کے بارہ برج ہیں بالکل اسی طرح شاعری کے بھی اصل ستون بارہ ہیں۔ایوانِ شاعری کا پہلا ستون میر تقی میر، دوسرا آتش لکھنوی......گیارہواں احمد ندیم قاسمی اور بارہواں کے نام کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا جبکہ وہ میں (بیدل حیدری) بھی ہو سکتا ہوں۔"(9)

بلا شبہ بیدل حیدری داخلی، خارجی اور مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کو یک جا کر کے اور کبھی کبھی الگ الگ پیکر بناتے تھے۔ وہ ایسی شاعری سے گریز کرتے تھے جس پر اخباری خبروں کا گمان ہو۔

بیدل حیدری آج اس دنیا میں موجود نہیں ہیں مگر ان کے افکار و خیالات کی خوشبو ہمارے ذہنوں کو ہمیشہ معطر رکھے گی۔ انہوں نے اردو شاعری میں بالخصوص غزل میں ایسے ایسے موضوعات بیان کیے ہیں کہ ان کی مثال بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ وہ طبقاتی تقسیم کو اس دکھ اور کرب کی کیفیت سے بیان کرتے ہیں کہ ظلم و ستم اور غربت کے پیکر بنتے چلے جاتے ہیں۔ قاری اور سامع بھی اس کرب کو محسوس کرنے لگتے ہیں اور مظلوموں کے ساتھ ہمدردی کی کیفیت میں ڈوب جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ بیدل حیدری خود بھی غم والم کی ایک زندہ تصویر تھے۔ وہ کبیر والا گاؤں میں بھی کرائے کے مکان میں رہتے تھے اور شعر و ہنر کی دولت تقسیم کرتے تھے۔ ان کی مشہور زمانہ غزل کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے جس میں عظمت انساں کی چاک تصویریں برہنہ ناچتی دکھائی دیتی ہیں:

دریا نے کل جو چُپ کا لبادہ پہن لیا　　پیاسوں نے اپنے جسم پہ صحرا پہن لیا
وہ ٹاٹ کی قبا تھی کہ کاغذ کا پیرہن　　جیسا بھی مل گیا ہمیں ویسا پہن لیا
فاقوں سے تنگ آئے تو پوشاک بیچ دی　　عریاں ہوئے تو شب کا اندھیرا پہن لیا
گرمی لگی تو خود سے الگ ہو کر سو گئے　　سردی لگی تو خود کو دوبارہ پہن لیا
بھونچال میں کفن کی ضرورت نہیں پڑی　　ہر لاش نے مکان کا ملبہ پہن لیا
بیدل لباس زیست بڑا دیدہ زیب تھا　　اور ہم نے اس لباس کو الٹا پہن لیا(10)

بیدل حیدری کی غزل کے حوالے سے 'کنول فیروز' کا کہنا ہے کہ ان کی غزل محبت کے لازوال اور ہمہ نوع جذبات کی حامل ہے۔ انہوں نے غزل کے پیرائے میں زندگی کے تمام پہلوؤں کی نمائندگی کی ہے اور شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہو گا جو ان کی غزلوں میں بیان نہ ہوا ہو۔ وہ ہر موضوع کو شعر کے پیکر میں ڈھالنے پر قادر تھے۔(11)۔ بیدل حیدری بنیادی طور پر غزل گو شاعر تھے اور انہوں نے غزل گوئی میں اپنی پختہ کاری کی بنا پر ندرت و جدت پیدا کی ہے۔ ان کے بے شمار شعر زبان زد عام ہیں۔ انہوں نے یہ مقام زور بازو سے نہیں بلکہ خون جگر سے اس فن کی آبیاری سے حاصل کیا ہے اور فطری شاعر کا یہ طُرّۂ امتیاز بھی ہوتا ہے کہ وہ معاشرے کی بیماریوں کی صحیح تشخیص کر کے ان کا علاج بھی تجویز کرتا ہے۔ وہ اپنی قوم کو ذلت کے گڑھے میں گرا ہوا کبھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی روح تڑپ اٹھتی ہے۔ وہ ایسی چشم بینا رکھتا ہے جو پوری قوم کے محاسبے کو محیط ہوتی ہے۔

عام نگاہ اسے وقفہء عشرت سمجھتی ہے مگر اس کے برعکس ایک حساس دل، جو شاعر کے سینے میں دھڑکتا ہے، وہ لوگوں کو مشکل میں گھرے ہوئے دیکھ کر اپنے درد کا اظہار یوں کرتا ہے۔

نسلِ نو اور فاقہ و فن کے سوا اب کسی سے بھی مری یاری نہیں (12)

نیا لباس ضروری ہے خواہ فاقہ ہو بشر کو ذوقِ نمائش نے مار ڈالا ہے (13)

فاقہ مستی مجھے اس موڑ پہ لے آئی ہے پوری دنیا میں کسی کو بھی نہ بھوکا دیکھوں(14)

بیدل حیدری کی شاعری میں جذبات کا اظہار جدید الفاظ کی شکل میں ہوتا ہے اور وہ جدید الفاظ اس انداز میں استعمال ہوتے ہیں کہ شعر چلتی پھرتی تصویروں کی شکل میں ڈھل جاتے ہیں۔احمد ندیم قاسمی کا کہنا ہے:

> "بیدل حیدری فن کے لحاظ سے ہمیشہ کی طرح جوان ہیں۔ یہ جوانی صرف جذبہ و خیال کی جوانی نہیں، محسوسات کے اظہار، ترسیل معنی اور جدید لفظیات کی بھی جوانی ہے۔وہ کتنے ہی کثیر الاستعمال الفاظ کو اپنی غزلوں میں ایسے تیوروں سے لائے ہیں کہ ان الفاظ کے مفاہیم جگمگا اٹھے ہیں.....تنقید کی دیانت کا تقاضاہے کہ اس مثبت اور امکانات بھری تبدیلی میں بیدل حیدری کے کنٹری بیوشن کا علی الاعلان اعتراف کیا جائے.....انہوں نے حقیقت اور جدت کو آپس میں اس سلیقے سے آمیخت کیا ہے کہ میں سمجھتا ہوں، بیدل حیدری کی انفرادیت سے انکار، کفر کا درجہ رکھتا ہے۔" (15)

بیدل حیدری تاحیات مفلسی کی جنگ لڑتے رہے۔ غربت و افلاس نے کبھی بھی ان کے آنگن کو نہ چھوڑا۔ گویا مفلسی ان کے گھر میں پیدا ہوئی اور پھر جوانی کے مراحل میں سے گزر کر بڑھاپے کو پہنچی۔ برسوں کی اس آشنائی سے وہ مفلسی کے ساتھ بڑے دوستانہ اور بے تکلفانہ انداز میں بات کرتے ہیں اور اسے کہتے ہیں کہ اے مفلسی! تونے شروع سے ہی میرا گھر دیکھا ہے اور یوں لگتا ہے کہ تیرا جنازہ بھی میرے ہی گھر سے نکلے گا۔اکیسویں صدی میں داخل ہونے کے باوجود بھی بیسویں صدی کی پریشانیوں کا سامنا کرتے تھے۔ آصف ثاقب کے بقول:

> "بیدل حیدری درویشانہ زیست کی زندہ تصویر تھے، وہ مر گئے لیکن زندگی کے سینے میں شعروشاعری کا وہ دل دھڑکا گئے ہیں جو رفتہ رفتہ حسن و خوبی

ہو کر رہ گیا۔ وہ زندگی بھر بے سروسامانی سے ہمکنار رہے اور بالآخر اسی عالم میں موت کو گلے لگا لیا۔" (16)

دراصل وہ استحصال سے پاک معاشرے کو دیکھنے کے متمنی تھے مگر تنگ دستی اور مفلسی نے ساری عمر زکوٰۃ فرض نہ ہونے دی، چنانچہ تنگ دستی، مفلسی، بھوک اور کسمپرسی کے پیکر، ان شعار میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

تیرا یہ حال اب اے مفلسی! دیکھا نہیں جاتا
تیری انگلی پکڑتے ہیں تجھے اندھا بناتے ہیں (17)

فرض ہونے نہ دی زکوٰۃ کبھی مفلسی! تجھ پہ فخر کرتا ہوں (18)

روز پستا ہوں صورتِ گندم آسمان و زمیں کی چکی میں (19)

میرے آنگن میں تو گملے ہیں نہ انگور کی بیل
اے خزاں! تجھ کو کسی اور کے گھر جانا تھا (20)

وہ وہاں بیچتا رہا پانی آگ لگتی رہی ادھر گھر کو (21)

پیکر مفلسی بنانا ہے بھوک کو ناچتے دکھانا ہے
تختہ الٹا ہے زندگی نے میرا جانے کس تخت پر بٹھانا ہے (22)

میں نے اک بات چھپا رکھی ہے اب اسی بات کا چرچا ہو گا
ہم تو بھوکے بھی گزر کر لیں گے بھوک کا کیسے گزارا ہو گا (23)

بیدل حیدری کی شاعری میں جدید رنگ تغزل بھی جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے موضوعات کو بڑی سنجیدگی اور دلیری کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ان کی غزلیں جدت کے اعتبار سے ایک منفرد رنگ لیے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس حوالے سے ذوقی مظفر نگری لکھتے ہیں: "میں ان کی شاعری بالخصوص غزلوں کو جدت کے اعتبار سے اچھی تخلیق سمجھتا ہوں۔" (24)۔ ان کی شاعری میں وقار، تخیل اور الفاظ کا چناؤ بہت عمدہ ہے۔ محرومیوں کو بیان کرنا ان پر ختم ہے۔ بچوں کے عالمی دن پر استحصال شدہ طبقے کے بچوں کی عکاسی دیکھیے:

بھوک چہروں پہ لیے چاند سے پیارے بچے بیچتے پھرتے ہیں گلیوں میں غبارے بچے
ان ہواؤں سے تو بارود کی بو آتی ہے ان فضاؤں میں تو مر جائیں گے سارے بچے
بارش اتری تو میں سیلاب کی آغوش میں تھا پانی اترا تو درختوں سے اتارے بچے
کیا بھروسہ ہے سمندر کا، خدا خیر کرے سیپیاں چننے گئے ہیں مرے سارے بچے

ہو گیا چرخ ستم گر کا کلیجہ ٹھنڈا مر گئے پیاس سے دریا کے کنارے بچے
یہ ضروری ہے انہیں کل کی ضمانت دی جائے ورنہ سڑکوں پہ نکل آئیں گے سارے بچے
سارے مظلوموں سے ناطہ ہے ہمارا بیدل
سارے مظلوموں کے بچے ہیں ہمارے بچے(25)

بیدل حیدری انسانوں سے پیار کرنے والا شاعر تھا۔اسے انسانوں کا مل بیٹھنا اور بچوں کا گلی میں کھیلنا اچھا لگتا تھا۔وہ معاشرے میں سے امن وامان کے ناپید ہونے پر شکوہ کناں نظر آتے ہیں۔

گلی میں بچوں نے کھیلنا بند کر دیا ہے یہ مرگ امن وامان نہیں ہے تواور کیاہے
اٹھائے پھرتا ہوں لاشہ دل ہنوز بیدل یہ میرا عزم جواں نہیں ہے تو اور کیاہے(26)
کُھل کے روتا ہوں تو ہمسائے گلے پڑتے ہیں
چُپ جو ہوتا ہوں، مرا گھر مجھے کھانے آئے(27)
اب آسمان میں نے بھی سر پر اٹھا لیا
اب میں بھی کہہ سکوں گا کہ بے گھر نہیں ہوں (28)
کاغذ بھی پناہ مانگتا ہے عمروں کے عذاب لکھ رہا ہوں (29)

شاعری میں اظہار کی بے ساختگی بیدل حیدری کی پہچان ہے۔ان کا نظریہ فن ترقی پسندانہ تحریک کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ان کی شاعری انسان کو حقیقت پسندی، رنج و الم سے خندہ پیشانی اور مصائب و مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی بھی دعوت دیتی ہے۔وہ مزدور کو ہمیشہ پستا ہوا نہیں دیکھ سکتے،چنانچہ کہتے ہیں۔

خیمہ گرد میں سہمی ہوئی آنکھیں سچی
خاک اور خون میں لتھڑے ہوئے آنسو، برحق(30)
لوگ بچوں کو یتیمی سے بچانا چاہیں اور وہ شخص سمجھتا ہے عایا خوش ہے(31)
پانی سے غسل کرنے کو معمول مت بنا
اپنے لہو سے آپ نہانے کی رسم ڈال(32)

بیدل حیدری کو پرندوں سے بڑی ہمدردی تھی۔ان کے آشیانے اور آشیانے کے چند تنکوں کا اکٹھا ہونا اور بکھرنا ان کو بڑا متاثر کرتا تھا۔پرندے بھی شاید اتنے آشیانے نہ بدلتے ہوں جتنے انہوں نے اپنی زندگی میں بدلے۔یہ سارا کرب ان کے اشعار میں سمایا ہوا ہے۔

چار تنکے ہی کیوں نہ ہوں بیدل آشیانہ پھر آشیانہ ہوتا ہے(33)

جس کی آغوش میں سوتے تھے پرندے بیدل رات طوفاں کا انہی پیڑوں پہ غصہ اترا(34)

بیدل حیدری کو اپنے سماج اور معاشرے سے بڑی محبت تھی۔انہوں نے کبھی بھی سماج اور سوسائٹی کو نظر انداز نہیں کیا۔ہمارے معاشرے میں دلوں کے ملاپ پر بہت سی پابندیاں عائد ہیں۔رسوائی کے ڈر سے محبوب اپنے عاشق کو اپنا نام نہیں لینے دیتا اور نہ ہی خود کبھی اپنے چاہنے والے کا ذکر کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس معاشرے کے اہل دل اور شاعر لوگ اپنے جذبات کا اظہار کسی نہ کسی طریقے سے اپنی شاعری میں کر جاتے ہیں۔آہ و زاریاں ان کا مقدر اور سسکیاں ان کا اوڑھنا بچھونا ہوتی ہیں۔بیدل حیدری کی شاعری میں بھی سماج کی بندشیں، مجبوریاں، محبت اور دوستوں سے بچھڑنے کی ملی جلی کیفیات دکھائی دیتی ہیں۔

تیرے جانے سے ہر شے میں کمی ہے بس اک صدمہ زیادہ ہو رہا ہے(35)

میں بھی گھر بیٹھ گیا وہ بھی نہ باہر نکلا دشمنی ہم سے ہوئی بھی تو قرینے سے ہوئی(36)

اس نے جب برف نظر ڈالی تھی تجھ پر بیدل آگ کپڑوں میں لگا لینی تھی مر جانا تھا(37)

درکار تھا کچھ کرب میرے جذبہ فن کو ورنہ تیری چاہت کا ارادہ تو نہیں تھا(38)

ہم کبھی شہر محبت جو بسانے لگ جائیں کبھی طوفان کبھی زلزلے آنے لگ جائیں

انتظار اس کا نہ اتنا بھی زیادہ کرنا کیا خبر برف پگھلنے میں زمانے لگ جائیں

آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں تجھے دن میں ہم لوگ
شب کو کاغذ پہ ترا چہرہ بنانے لگ جائیں
گھر میں بیٹھوں تو اندھیرے مجھے نوچیں بیدل
باہر آؤں تو اجالے مجھے کھانے لگ جائیں (39)

اس نے کل گاؤں سے جب رخت سفر باندھا تھا
بچہ آغوش میں تھا ، پشت پہ گھر باندھا تھا
انگلیوں پر بھی نچایا ہے سمندر ہم نے
ہم نے اک دور میں چپو سے بھنور باندھا تھا(40)

مجھے جو روک رہے ہو تم اس کی پوجا سے
اسی سے کیوں نہیں کہتے کہ دیوتا نہ لگے
تیری شعاع بدن سے نظر جھلتی ہے
ترے گلے سے کوئی کیسے والہانہ لگے(41)

بیدل حیدری کچھ دن بیمار رہنے کے بعد 7 مارچ 2002 کو داغ مفارقت دے گئے۔داغ مفارقت سے چند دن قبل کہی گئی ایک غیر مطبوعہ غزل اور ان کی زندگی کے آخری دو شعر جو صرف بارہ دن پیشتر کہے گئے، قارئین کی نذر ہیں:

لڑکھڑاتا ہوا، سنبھلتا ہوا یہ کہاں آ گرا، میں چلتا ہوا
یک بیک کل جو کھل گئی مٹھی رہ گیا میں ہاتھ ملتا ہوا
تم میرے گھر کی بات کرتے ہو میں نے دیکھا ہے شہر جلتا ہوا
کتنا محتاط ہو گیا ہے وہ بولتا ہے مگر سنبھلتا ہوا
دیکھتا کیا ہوں خواب کے دوران میں کہیں جا رہا ہوں چلتا ہوا
تپ غم سے وہ حال ہے بیدل جیسے پتھر کوئی پگھلتا ہوا(42)

ہجوم یاس میں ہنسنا ہر اک کے بس میں نہیں کسی کسی کا خزاں میں چراغ جلتا ہے
جو دل کھنڈر ہو تو پھر روشنی نہیں ہوتی مکان ہو تو مکاں میں چراغ جلتاہے(43)

بیدل حیدری کی غزل کے بڑے موضوعات میں ظلم کے خلاف مزاحمت، طبقاتی شعور، ایک پر امن دنیا کا خواب اور انسانی حقوق کی پاسداری ہیں۔بیدل حیدری نے غزل کو جدت سے روشناس کیا۔ان کی غزل میں زندگی کی تمام تر جولانیاں، حسن کی یکتائی، محبوب کی دلبری، محویت، سپردگی، خود داری، سماجی شعور، سیاسی حالات، نادار و مفلس کی کسمپرسی نیز سیکڑوں فکری مضامین اچھوتے انداز میں ملتے ہیں۔انہوں نے عصری تبدیلیوں کا بغور مطالعہ کیا۔قدیم و جدید غزل کی روایتوں کو اپنے شعور و احساس میں جذب کر کے اپنے فکر و فن کی راہوں کو متعین کیا اور اپنی شاعری کا لوہا منوایا۔جواز جعفری کے بقول: ”بیدل حیدری نے کبیر والا جیسے چھوٹے سے مضافاتی شہر میں بیٹھ کر بڑی شاعری تخلیق کی۔“(44) بلا شبہ بیدل حیدری صاحب طرز غزل گو شاعر ہیں جن کی توانا آواز کو کسی طور بھی سننے اور اس کی الگ پہچان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

حواشی:

1۔ قومی شناختی کارڈ پر تاریخ پیدائش1926ء ہے جبکہ مراد نگر سکول سرٹیفکیٹ 3 2اگست 1924ء ہے اور ان کا شعری مجموعہ"پشت پہ گھر" مطبوعہ جنوری 1996ء میں 20 اکتوبر 1925ء درج ہے۔

2۔ خود نوشت سوانح عمری از بیدل حیدری، مشمولہ، روزنامہ"سنگِ میل" ملتان، پہلی قسط، ادبی ایڈیشن یکم جون 1993ء

3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

6۔ گفتار خیالی، مضمون: بیدل حیدری، جدید شاعری کا امین، مشمولہ، ماہنامہ"ماہ نو" اکتوبر 2003ء

7۔ قیس سلیمی(دوست بیدل حیدری)۔۔کا ریکارڈ شدہ انٹرویو، 21، اگست 2004ء

8۔ عمران نقوی، مضمون: چھوٹے شہر کا بڑا شاعر، مشمولہ، ادبی ایڈیشن، روزنامہ "نوائے وقت" لاہور 12، مارچ 2004ء

9۔ بیدل حیدری کا انٹرویو، ہفت روزہ "حقانیت جہاں' کبیر والا، 25 ستمبر 2003ء ڈاکٹر فاروق صدیقی

10۔ پشت پہ گھر، 1996، بیدل حیدری، ص11

11۔ خط بنام: صفدر نعیم، ڈاکٹر کنول فیروز، 8، جولائی2004ء

12۔ پشت پہ گھر، 1996، ص 27

13۔ ایضاً، ص 149 14۔ ایضاً، ص 145

15۔ احمد ندیم قاسمی، فلیپ "پشت پہ گھر" 7 نومبر 1995ء

16۔ آصف ثاقب، مضمون: شاعر کی موت، مشمولہ، ماہنامہ، ق، ڈیرہ اسماعیل خاں، مئی 2004

17۔ پشت پہ گھر، ص 89 18۔ ایضاً، ص 134

19۔ ایضاً، ص 113 20۔ ایضاً، ص108

21۔ ایضاً، ص 117

22۔ ان کہی،2004،ص،27،28
23۔ ان کہی، 2004، ص15
24۔ خط بنام: صفدر نعیم، ذوقی مظفر نگری یکم ستمبر 2004ء
25۔ پشت پہ گھر، ص،46،47
26۔ ان کہی، ص، 110
27۔ پشت پہ گھر، ص 27
28۔ ایضاً، ص64
29۔ ایضاً، ص62
30۔ ایضاً، ص12
31۔ ایضاً، ص107
32۔ ایضاً، ص36
33۔ ان کہی، ص 24
34۔ پشت پہ گھر،ص 141
35۔ ایضاً، ص۸۱
36۔ ایضاً، ص75
37۔ ایضاً، ص108
38۔ ایضاً، ص57
39۔ ایضاً، ص66،67
40۔ ایضاً، ص97
41۔ ایضاً، ص86،87
42۔ غیر مطبوعہ ڈائری، بیدل حیدری، یکم فروری، 2004ء
43۔ غیر مطبوعہ ڈائری، بیدل حیدری، 25، فروری، 2004ء
44۔ جواز جعفری، مضمون: بیدل حیدری زندگی کے سفر پر روانہ ہو گئے، مشمولہ، ماہنامہ، ادب دوست، اپریل2004،ص28